تنزیل و تاویل

امثال القرآن

(۲)

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب جیراجپوری

(۶) کفار کے اعمال کا، اور ان امیدوں کا جو انھوں نے اپنے اعمال کے نتیجہ سے وابستہ کر رکھی ہیں، کیا حشر ہوگا؟ قرآن ایک تمثیل کے پیرایہ میں اس کی توضیح یوں کرتا ہے:۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ (نور – ۵)

اور کافروں کے اعمال کی حقیقت چٹیل میدان کی اس چمکتی ہوئی ریت کی سی ہے جسے پیاسا دور سے دیکھ کر پانی خیال کرتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے قریب آیا تو کچھ نہ پایا۔ البتہ اس نے اللہ کو وہاں موجود پایا جس نے اس کا حساب چکا دیا اور اللہ پل بھر میں حساب لے لینے والا ہے۔ یا ان کے اعمال کی مثال ان تہ بہ تہ تاریکیوں کی سی ہے جو ایک ایسے اتھاہ سمندر میں ہیں جسے موج نے ڈھانک رکھا ہو، پھر اس موج کے اوپر بھی موج ہو اور اس کے اوپر بھی بادل چھایا ہو۔ غرض ایک کے اوپر ایک کئی تاریکیاں جمع ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ پائے۔ اور جسے اللہ ہی روشنی (ہدایت) نہ دے

اسے کہیں سے بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں دو مثلیں بیان فرمائی ہیں، ایک دور سے چمکتی ہوئی ریت کی۔ دوسری تہ بہ تہ تاریکیوں کی۔ اس لیے کہ حق و ہدایت سے اعراض کرنے والے دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

ایک تو وہ لوگ ہیں جنھیں اپنے اوہام و خرافات کی بابت یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ بے بنیاد نہیں ہیں بلکہ کوئی نہ کوئی بنیاد رکھتے ہیں لیکن جب حقیقت بے نقاب ہوتی ہے تو ان کے گمان کی اصلیت آشکارا ہو جاتی ہے اور خیالات واوہام کا تار پود بکھر جاتا ہے۔ جاہل بدعتیوں اور ہوا پرستوں کا یہی حال ہو کہ یہ لوگ اپنے اہواء و آراء کو علم و بصیرت اور رشد و ہدایت سمجھے رہتے ہیں، لیکن جب اصل حقائق ان کے سامنے آتے ہیں اس وقت ان پر ان کے ظن بے بنیاد کا راز کھلتا ہے اور واضح ہوتا ہے کہ ان کے عقائد اور انکے اعمال کی یہ عمارت جو ان بے اصل عقائد کی بنیاد پر کھڑی ہے، ایسی ہی ہے جیسے چٹیل میدان کی چمکتی ہوئی ریت، جو دور سے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں پانی نظر آتی ہے اور حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ یہی کیفیت اور یہی انجام ہے اُن اعمال کا جو نہ اللہ کے لیے کیے گئے ہیں نہ احکام الٰہی کے اتباع میں، ان اعمال کو صاحبِ عمل نجات اور سود و بہبود کا ذریعہ سمجھتا ہے حالانکہ اس غلط توقع کا انجام حسرت کے سوا کچھ نہیں۔ یہی وہ اعمال ہیں جن کی بابت حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ ہے کہ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا۔

تشبیہ کی بلاغت پر غور کرو! اللہ تعالیٰ نے سراب کے ساتھ "بِقِیعَۃٍ" کی قید بھی لگائی ہے۔ قیعہ اس چٹیل میدان کو کہتے ہیں جہاں حیوانی اور نباتی وجود کا نام و نشان تک نہ ہو، یعنی محلِ سراب اس سنسان صحرا کو بتایا ہے جو بالکل بے آب و گیاہ اور ہر غیر جمادی وجود سے خالی ہو، اور خود سراب ایک ایسی شئے ہے جو بالکل بے حقیقت و بے اصل ہے۔ اب ان کے اعمال اور قلوب کو، جہاں ایمان و ہدایت کی کسی کرن کا گذر ممکن نہیں، سراب اور اس کے مذکورہ بالا موقع و محل سے مطابقت دو کیسی چول سے چول بیٹھ جاتی ہے۔ جس طرح اس محل سراب میں کسی چیز کا وجود نہیں اسی طرح ان کے دلوں میں آفتابِ ہدایت کی کرنوں کا گذر نہیں، اور جس طرح

سراب کی کوئی حقیقت نہیں اسی طرح ان کے اعمال بھی فریب محض ہیں جن سے انھیں توقعات تو بہت ہیں مگر وقت پر ان کے لیے سراب کی طرح معدوم الحقیقت ثابت ہوں گے۔

پھر "یَحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً" کی قید مزید پر غور کرو۔ "ظمآن" اس شخص کو کہتے ہیں جو سخت پیاسا ہو۔ ایسا شخص پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر پاس آتا ہے اور وہاں کچھ نہیں پاتا بلکہ تشنگی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کفار کا یہی حال ہوگا ان کے اعمال غیر اللہ کے لیے ہونے اور اطاعتِ رسول پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے بالکل سراب کے مشابہ ہیں۔ جس طرح پیاسا آدمی چمکتی ہوئی ریت کی طرف، پانی سمجھ کر لپکتا ہے اور ناگہانی یاس و حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اسی طرح میدان حشر میں کفار نہایت احتیاج کی حالت میں، بڑی امیدوں کے ساتھ اپنے اعمال کی طرف بڑھیں گے لیکن اعمال کا کہیں نام و نشان نہ ہوگا البتہ خدا موجود ملے گا اور ان کا حساب چکا دے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ باری تعالیٰ کی (قیامت کے دن) تجلی کا ذکر کرتے ہوئے آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"پھر جہنم لاکر پیش کی جائے گی جس کی شکل بالکل سراب کی سی ہوگی۔ اور یہود سے سوال ہوگا کہ تم نے کس کی عبادت کی؟ کہیں گے خدا کے بیٹے عُزیر کی، کہا جائے گا تم جھوٹے ہو، خدا کے نہ بیوی تھی نہ بیٹا۔ اچھا اب کیا چاہتے ہو؟ کہیں گے، پانی پینا۔ کہا جائے گا جاؤ پیو۔ چنانچہ وہ جہنم کی طرف ٹوٹ پڑیں گے۔ پھر نصاریٰ سے خطاب ہوگا، تم نے کس کو پوجا؟ جواب دیں گے مسیح خدا کے بیٹے کو۔ کہا جائے گا تم جھوٹ بکتے ہو، خدا بیوی، بیٹے والا کب تھا۔ کہو اب کیا چاہتے ہو؟ کہیں گے سیراب ہونا۔ حکم ہوگا جاؤ پیو۔ سو وہ بھی دوزخ میں گرے جاتے ہوں گے الخ"

ہر باطل پرست کا یہی حال ہوگا یعنی باطل اس کے ساتھ اس وقت غداری کرے گا جبکہ اسے مدد کی سخت ضرورت ہوگی کیونکہ باطل کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی، اس کا مسمّی بھی ویسا ہی باطل ہوتا ہے جیسا کہ اس کا اسم۔ پس جب اعتقاد میں حق کی مطابقت نہ پائی جائے گی تو اس سے جو چیز متعلق ہوگی وہ بھی باطل ہوگی۔ اسی طرح عمل کی غرض و غایت اگر باطل ہو

مثلاً عمل خالصۃً لوجہ اللہ نہ ہو یا احکامِ الٰہی پر مبنی نہ ہو تو وہ باطل ہوگا اور عمل کرنے والا اپنی توقع کے خلاف اس کی بدولت مضرت سے دوچار ہوگا۔ نیز اس کے اعتقاد و عمل کی طرف سے غفلت نہ ہوگی کہ مالہ و ماعلیہ کا فرق و امتیاز کئے بغیر فیصلہ ہو جائے بلکہ اسے نفع سے محروم رہنا اور مضرت و عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔ وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

یہ اس گم کردہ راہ جماعت کی تصویر و تمثیل تھی جس نے غلط گمان کی وجہ سے اپنے آپ کو ہدایت اور راہ راست پر سمجھا تھا۔ اب منکرین حق کی دوسری قسم کو لو جس کے حالات کی تشبیہ ظلماتِ بحر سے دی گئی ہے۔ یہ ان لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو حق اور رشد و ہدایت کو جان پہچان کر ترک کر دیتے اور باطل ہی کی تاریکیوں کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر ایک دو نہیں کئی طرح کی تاریکیاں چھا جاتی ہیں۔ ایک طرف سے فطرت کی ظلمت کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسری طرف روح کی ظلمت کا۔ تیسری سمت سے جہل کی تاریکی مسلط ہوتی ہے (کیونکہ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے، انجام کار جہل کا زنگ ان پر بیٹھ جاتا ہے) اور چوتھی طرف اتباع ہوا کی۔ ان تہ بہ تہ ظلمتوں میں گھر جانے کے بعد ان کا حال اس شخص کے مشابہ ہو جاتا ہے جو ایک ایسے دریائے ناپیدا کنار میں جا پہنچا ہو جس میں لہروں پر لہریں اٹھ رہی ہوں اور ساتھ ہی اوپر سے سیاہ بادلوں کی تاریکی بھی اس پر چھائی ہوئی ہو یعنی اس پر تین طرح کی تاریکیاں بیک وقت چھائی ہوئی ہوں، دریا کی تاریکی، موجوں کی تاریکی، اور بادل کی تاریکی۔ غور کرو، انھیں تاریکیوں کے مشابہ کفار کے قلوب کی تاریکیاں بھی ہیں۔ فطرت کی تاریکی، روح کی تاریکی، اور دماغ کی تاریکی۔

سراب (جسے دور سے پانی یعنی مادۂ حیات سمجھا گیا) اور ظلمات (جو نور کی ضد ہے)، کی یہ دونوں مثلیں ان دونوں (ناری و مائی) مثلوں کے مشابہ ہیں جو منافقین اور مومنین کے بارے میں اوپر بیان کی جا چکی ہیں اور جن میں مومنین کا حصہ "زندگی" اور "نور" دکھایا گیا ہے اور منافقین کا حصہ ان کے برعکس ظلمت اور ذوت کی ہولناکی بتائی گئی ہے۔ یہی حالت منکرین و منافقین کی زیر بحث مثلوں میں بھی بیان ہوئی ہے کہ پانی کی تلاش میں انھیں سراب ملا جو دھوکے سے پانی نظر آ رہا تھا اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اسی طرح نور کے بجائے ظلمت،

جو ایک طرح کی روحانی موت ہے، ان کے مقدر میں نکلی۔

ہو سکتا ہے کہ اس تمثیل میں بحیثیت مجموعی کفار کی تمام جماعتوں کی حالت کی طرف اشارہ ہو اور ان سب کی اس مشترک بدبختی کا اظہار مقصود ہو کہ انھوں نے وحی الٰہی کی طرف اعتنا اور توجہ نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "روح حیات" اور "نور" سے محروم ہو گئے (کیونکہ قرآن وحی کو روح اور نور سے تعبیر کرتا ہے) اس صورت میں یہ دونوں مثلیں ایک ہی موصوف کی دو صفتیں ہوں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفار کے مختلف گروہوں کا الگ الگ حال بیان کرنا مقصود ہو۔ اس صورت میں پہلی مثل ان لوگوں سے متعلق ہو گی جنھوں نے علم و بصیرت کی روشنی کے بجائے محض ظن اور جہل اور اپنے اسلاف کے حسن ظن پر اپنے اعمال کی بنا رکھی، اور آخر دم تک یہ سمجھتے رہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی بہتر کر رہے ہیں، یعنی گمراہی کے باوجود انھیں اپنے حسن عمل کا پورا یقین تھا۔ اور دوسری مثل اس جماعت کے بارے میں ہو گی جس نے ہدایت کو چھوڑ کر ضلالت اختیار کی اور حق و صداقت پر باطل کو ترجیح دی اور حق اور ہدایت کا چہرہ دیکھنے کے بعد اندھے بنے یعنی حق کو پہچان کر انکار کی شقاوت میں مبتلا ہوئے۔ دونوں گروہوں کا فرق ظاہر ہے۔ پہلا گروہ ضالین کا ہے اور دوسرا مغضوب علیہم کا۔ اور ان دونوں گروہوں کا حال اس منعم علیہ گروہ کے حال سے بالکل مختلف بلکہ مقابل ہے جس کا ذکر آیۃ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الخ میں کیا گیا ہے۔ اس پورے سلسلے کو سامنے رکھو تو معلوم ہو گا کہ ان آیات میں تینوں جماعتوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ایک تو وہ گروہ ہے جس کے لیے نور کی مثل بیان کی گئی ہے۔ دوسری جماعت ضالین کی ہے جو ضلالت کی تاریکیوں میں ٹھوکر کھاتی رہی، جس کے لیے سراب کی مثال دی گئی ہے۔ اور تیسری جماعت مغضوب علیہم کی ہے جس پر خدا کی پھٹکار اور غضب کی لعنت پڑی "اَوْ كَظُلُمٰتٍ" میں انہیں کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ مختصر لفظوں میں ان تینوں گروہوں کا نام، اہلِ نور، اہلِ سراب، اور اہل ظلمات رکھا جا سکتا ہے۔ پس ان دونوں مثلوں میں پہلی مثل ارباب عمل باطل کی ہے جنھوں نے عمل باطل کا نفع اور فائدہ سے بالکل خالی ذخیرہ جمع کیا۔ اور دوسری اُن اصحاب علم باطل کی ہے جنھوں نے علم حق کو چھوڑ کر غلط اعتقاد اور فاسد اور غیر نافع علم اختیار کیا۔

اور یہ دونوں چیزیں، باطل عمل اور باطل علم، دینِ حق سے فطری تضاد رکھتی ہیں۔ اسی وجہ اللہ تعالیٰ نے فریقِ ثانی کے شکوک و شبہات اور علوم فاسدہ سے گھرے ہوئے دلوں کی تشبیہ اس دریا کی متلاطم حالت سے دی ہے جس میں موجیں اُٹھ رہی ہوں اور تہ بتہ بادلوں کی تاریکی بھی اوپر سے مسلط ہو کیونکہ بعینہٖ یہی تصویر ان تاریک اور مضطرب دلوں کی ہیئت نفسی کی ہوتی ہے جن کے اندر شکوک و شبہات کے دریا موجزن ہوتے ہیں، اور جن پر دانستہ گمراہی، ہوا پرستی اور باطل کا سیاہ ابر بھی محیط ہوتا ہے۔ اگر علم و بصیرت کے ساتھ ان دونوں مثلوں پر اور کفار کی ہیئتِ نفسانیہ سے ان کے کمال تطابق پر غور کیا جائے تو فطرتِ انسانی قرآن کی عظمت و جلالت کے سامنے سر اعتراف جھکا دے گی اور اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اسی ذاتِ واحد کا کلام ہو سکتا ہے جو ہر طرح کی ستائشوں اور تعریفوں کی تنہا مستحق اور تمام حِکَم و اسرارِ فطرت کی تنہا راز داں ہے۔

(۷) کفر نا ممکن العلاج مریضوں کی حالت کی مثال:۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ	یا تم خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ نہیں،
اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ	یہ تو بالکل چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی
هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔ (فرقان - ۱۴)	گئے گذرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر نسل انسانی کے کج فطرت طبقہ کی تشبیہ چوپایوں سے دی ہے۔ وجہ مشابہت ہدایت کا عدم قبول ہے جس میں دونوں گروہ یکساں طور پر شریک ہیں۔ یہ لوگ باطنی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں اور فہم و ادراک کی صلاحیت فنا کر کے جہل کے قالب میں ایسے ڈھل گئے ہیں کہ گویا حیوانات کی طرح انھیں سرے سے عقل و ہوش اور بصیرتِ قلب کی استعداد حاصل ہی نہیں ہوئی۔ پھر اس تشبیہ کے بعد قرآن نے ان لوگوں کو جانوروں سے بھی زیادہ جادہ فراموش اور شاہراہِ ہدایت سے دور بتایا ہے، کیونکہ بہائم و انعام اگرچہ ایک بے عقل و خرد مخلوق ہیں لیکن پھر بھی چرواہے کی رہنمائی کے ذریعہ صحیح راہ انھیں مل بھی جاتی ہے، جسے وہ اختیار کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے اور نہ زیادہ تردد میں بائیں کترانے کی کوشش کرتے

ہیں لیکن حضرت انسان کو دیکھو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کو حق و معرفت کی تلقین کرتے، ہدایت کی راہ سمجھاتے اور نجات کی طرف دعوت دیتے ہیں تو ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور اس دعوت کو قبول کرنے کے بجائے الٹے اس کے دشمن بن جاتے ہیں، اور اپنے نفع نقصان تک کی تمیز روا نہیں رکھتے کہ جو چیز ان کی نوع (انسانیت) کے لیے مفید ہو اسے اختیار کرلیں اور جو چیز اس کے لیے مہلک ہو اسے ترک کردیں۔ لیکن حیوان پھر بھی بایں ہمہ حیوانیت اپنے بھلے برے کی تمیز کرتا ہے، مضر نباتات اور مہلک پودوں کے کھانے اور خطرناک راستوں پر چلنے سے پوری طرح اجتناب کرتا ہے، حالانکہ خداوند عالم نے اس کو قلب ایسا دیا ہے جس میں فہم و بصیرت کی روشنی مفقود ہے اور زبان ایسی دی ہے کہ نطق و گویائی سے قطعاً محروم۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان تمام نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے جو ان کے لیے ہر قدم پر دلیلِ راہ بن سکتی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان سے فائدہ اٹھانے اور ہدایت و معرفت کی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہی رہے، اور عقل کی روشنی، قلب کی بصیرت، زبان کی گویائی، کان کی سماعت اور آنکھ کی بصارت رکھتے ہوئے بھی انھوں نے ان تمام آلاتِ تمیز سے حق و باطل کی راہیں متعین کرنے اور کھرے کھوٹے کو پہچان لینے میں کام نہ لیا۔ پھر وہ حیوانات سے بھی زیادہ گمراہ اور "اضل" کیوں نہ ہوں- کیونکہ جو ہاتھوں میں چراغ رکھتا ہو اور اس کے باوجود گڑھے میں جا گرے وہ اس شخص کی بہ نسبت بہت زیادہ قابلِ ملامت ہے جو بغیر چراغ کے ٹھوکر کھائے۔

(۸) شرک کی نامعقولیت:-

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ
هَل لَّكُم مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ
فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ
كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۔ (روم - ۴)

اللہ تمہارے سامنے خود تمہارے اپنے ہی حال سے ایک مثال بیان کرتا ہے۔ جن غلاموں کے تم مالک ہو کیا ان میں سے کوئی بھی اس روزی میں، جو ہم نے تم کو دے رکھی ہے، تمہارا شریک ہی کہ تم اور وہ اس میں برابر کا حق رکھتے ہو، اور ان سے بھی ویسا ہی اندیشہ رکھتے ہو جیسا اپنے (جیسے آزاد حق تصرف رکھنے والوں) سے؟ ایسا ہی

ہم سمجھنے والوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں۔

آیتِ کریمہ میں جس دلیل سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بے بنیاد مسلک کے خلاف استدلال کیا ہے اسے اصطلاح میں دلیل قیاس کہا جاتا ہے۔ استفہاماً ان کے غلاموں کو ان کا شریک و سہیم قرار دے کر ان کے خلاف ایسی حجت قائم کی ہے جس کی صحت کے وہ کلی طور پر ایسے معترف ہیں کہ ان کے دماغ میں کبھی اس کی غلطی کا وہم بھی نہیں گذرتا۔ اور یہ دلیل و حجت کا بہترین و بلیغ ترین اسلوب ہے کہ مخالف پر خود اسی کے مسلّمات اور بدیہی کلیات سے حجت قائم کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ان نادان انسانوں سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارے یہ غلام اور لونڈیاں جو تمہارے دستِ تصرف میں ہیں کیا یہ تمہارے مال و متاع میں شریک ہیں؟ کیا اپنے ان ممالیک کے متعلق تم یہ تصور کر سکتے ہو کہ تمہاری جائدادمیں یہ مساویانہ حصہ داری رکھتے ہیں؟ اور اس تصور کے تحت تمہارے دلوں میں کبھی یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ کبھی وہ تمہارے مال و متاع میں سے اپنا حصہ بٹا لیں گے یا اپنے حصے سے زائد تمہارا حق بھی ماریں گے، جس طرح کہ ایک شریک دوسرے شریک سے عموماً خوف و بے اطمینانی محسوس کیا کرتا ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے "تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ" کی تاویل یہ فرمائی ہے کہ کیا تم کو ان غلاموں سے یہ اندیشہ اور خوف ہے کہ وہ تمہارے مال و اسباب کے وارث ہو جائیں گے جس طرح کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ترکہ میں حق وراثت حاصل ہوتا ہے؟ بہرکیف آیت کا مقصد یہ ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس بات پر راضی ہو گا کہ اس کا غلام اس کے سرمایہ اور اہل و اولاد میں شریک ہو حتیٰ کہ اس کے برابر حق تصرف رکھے، اور اس حق تصرف کی وجہ سے اسے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ کہیں وہ (غلام) موقع پا کر ساری ملکیت پر تنہا قابض ہو جائے، جیسا کہ برابر شرکا میں یہ خطرہ ہر دم موجود رہتا ہے؟ اگر تم اس پر راضی نہیں اور نہ کبھی ایسی نامعقول بات تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو تو پھر وہی بات میرے لیے کیوں پسند کرتے ہو؟ اور میری مخلوقات کو، جو میرے حلقۂ غلامی میں ہیں، کیونکر میرا ہمسر اور ہم پایہ قرار دیتے ہو؟ اور جبکہ غلام و آقا کی اس مساوات کے تخیل کو تمہاری عقل اور فطرت بداہتہً غلط سمجھتی ہے (حالانکہ تمہارے حق میں اس کا بہت کچھ امکان بھی ہے اس لیے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو تمہارے

غلام تمہاری ملک کسی طرح نہیں ہیں، بلکہ در اصل وہ تمہارے برابر کے بھائی ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے قبضۂ اقتدار میں دے رکھا ہے، اس لیے محض عرضی طور پر نہ کہ حقیقی طور پر دونوں کے مرتبے جدا گانہ ہو گئے ہیں اور دونوں کو مجازاً "آقا" اور "غلام" کے الگ الگ نام مل گئے ہیں، ورنہ حقیقتاً تم اور تمہارے غلام دونوں کے دونوں ہی کسی اور ہی حقیقی آقا کے غلام اور بندے ہیں) تو میرے حق میں تمہارا ضمیر اسی تخیل کے تسلیم کرنے کی اجازت کیوں کر دیتا ہے حالانکہ وہ تمام کے تمام میرے ہی بندے، میری ہی ملکیت اور میری ہی مخلوق ہیں جن کو تم نے میرا ہم پایہ و ہم مرتبہ اور شریک بنا رکھا ہے؟ یہ ہے تفصیل آیات۔ کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ کا مطلب

(۹) ابطالِ شرک:-

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (نحل - ۱۰)

خدا نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک غلام ہے دوسرے کی ملک، جو کسی بات کا اختیار نہیں رکھتا۔ دوسرا شخص ہے خود مختار، جس کو ہم نے اپنی سرکار سے اچھی روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے کچھ چھپا کر اور کچھ کھلے طور پر خرچ کرتا ہے کیا ایسے دو شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ (یہ مثال سن کر مشرکین ضرور "نہیں" پکار اٹھیں گے) الحمد للہ کہ اتنا تو سمجھے، لیکن ان میں سے بہتیرے ایسے بھی ہیں جو (اتنا بھی) سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اور خدا نے ایک دوسری مثل دو آدمیوں کی بیان فرمائی ان میں کا ایک گونگا (اور کسی کا غلام بھی) ہے جو کچھ نہیں کر سکتا (نیز) وہ اپنے آقا کا بار خاطر بھی ہے کہ جہاں کہیں اس کو بھیجے اس سے کوئی بھی ٹھیک نہیں بن آتا۔ کیا ایسا غلام اور وہ جو عدل کا حکم کرتا ہے اور خود بھی سیدھی راہ پر ہے، برابر ہو سکتے ہیں۔

ان آیات میں قرآن نے دو مثلیں بیان کی ہیں اور دونوں میں استدلال کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جسے اصطلاح میں قیاس عکس کہا جاتا ہے یعنی کسی شے سے علتِ حکم کی نفی کر کے اصل حکم کی نفی کرنا۔ کیونکہ قیاس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو قیاس عام جس میں ثبوت علت کی وجہ سے فرع میں اصل کا حکم لگایا جاتا ہے۔ دوسرا قیاس عکس، جس میں

نفی علت کی وجہ سے فرع سے اصل کے حکم کی نفی کی جاتی ہے۔ یہاں اسی طرز استدلال سے زیر بحث مثلوں میں کام لیا گیا ہے۔

پہلی تمثیل اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور شان ملوکیت، اور بتوں کے عجز اور بیکسی کی دی ہے۔ اور بت پرستی کی نامعقولیت پر روشنی ڈالی ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ، عالم کی تمام اشیا، کا مالک کل اور ذرہ ذرہ کا فرمانروا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے مخفی طور پر، اور کھلے بندوں شب و روز اپنے بندوں کو انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے حد وحساب دے ڈالتا ہے۔ اس کا خزانہ رزق اتنا وسیع اور لامحدود ہے کہ شبانہ روز کی پیہم بخششوں اور فیاضیوں کے باوجود بھی کم ہونیوالا نہیں۔ اس کے برعکس اصنام و اوثان ایک محکوم اور درماندہ مخلوق ہیں جن کو کسی چیز پر بھی قدرت و اختیار نہیں تو پھر مشرکین کو کیا ہوگیا ہے کہ اس عظیم الشان اور روشن از آفتاب فرق کے باوجود، کہ میں قادر مطلق ہوں اور یہ بت مجبور محض، میں مالک ہوں اور یہ مملوک، وہ کس طرح ان بے بس اور درماندہ مورتوں کو میرا شریک و ہمتا سمجھتے ہیں۔ اور مجھے چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔

آیت کی یہ تاویل امام مجاہد وغیرہ نے کی ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک دوسری تاویل بیان فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی اور معبودان باطل کی مثال نہیں دی ہے بلکہ مومن اور کافر کی دی ہے، اور بتایا ہے کہ صالح مومن کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کی طرف سے بہترین رزق سے نوازا گیا ہے جسے وہ اپنے مصارف میں بھی خرچ کرتا ہے اور دوسروں کی بھی، چھپکر اور برملا، ہر طریقہ سے حاجت روائی کرتا ہے۔ بخلاف اس کے خیر و صلاح سے عاری کافر کی مثال اس بیکس اور زیر اقتدار غلام کی سی ہے جو مجبور محض اور بالکل ہی قدرت و اختیار سے محروم ہے اور جو ایک حبہ بھی خرچ کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔ اس توضیح اور تفریق کے بعد سوال کرتا ہے کہ کیا کسی صاحب عقل کے نزدیک یہ دونوں یکساں اور ہم پلہ ہو سکتے ہیں؟

آیت کی یہ دو تاویلیں کی گئی ہیں لیکن پہلی تاویل زیادہ معنی خیز اور لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اصل مقصد یعنی ابطال شرک کے لیے یہ زیادہ مؤثر بھی ہے اور واضح بھی۔ اور نظم کلام بھی اسی کا مقتضی ہے، چنانچہ اس سے پہلے آیت وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ہے جس میں شرک کی بے بنیادی ثابت کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد ہی ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ الخ کی تمثیل بیان کی گئی ہے جس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہ تمثیل آیت ماسبق کی توضیح ہے۔ ہاں اس مثل سے لازمی طور پر یہ مفہوم بھی خود بخود کھل جاتا ہے کہ توحید پر کامل اعتقاد رکھنے والے مومن کا حال اس شخص کا سا ہے جس کو بارگاہِ خداوندی سے رزق کا بہترین حصہ ملا ہو اور اس کو اس سے فائدہ اٹھانے کا پورا پورا اختیار حاصل ہو، اور کافر مشرک کی مثال اس زیر اقتدار اور مملوک غلام کی سی ہے جس کو کچھ بھی قدرت و اختیار حاصل نہیں لیکن یہ آیت کا اصل معنی نہیں ہے بلکہ بطور اشارۃ النص کے اس سے یہ مفہوم بھی ضمناً نکلتا ہے۔ لہذا حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ اس مثل میں مومن و کافر کی حالت بیان ہوئی ہے، دراصل اسی حقیقت کا حامل ہے اور ان کے کہنے کا مقصد یہی ہے کہ ابطال شرک کے ساتھ ساتھ مومن و کافر کی واقعی حیثیت بھی اشارۃً اس آیت سے روشنی میں آجاتی ہے۔ یہ مقصد نہیں ہے کہ آیت کا اصلی اور متعین مفہوم ہی یہی ہے۔ اور قرآن کے فہم اور اس کی تفسیر کا یہ بھی ایک عام انداز ہے جس کی تائید چاہو تو قدماء کے اقوال کی طرف مراجعت کرو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور دیگر سلف صالحینؒ کے اقوال میں تو اس کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ وہ اکثر آیات میں ان کے اصل معانی کو بیان کرنے کے بجائے ان کے لوازم اور ضمنی احکام پر اشارہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں لیکن عام لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ آیات کی متعین تاویل ان کے نزدیک یہی ہے، اور اس کوتہ نظری کی وجہ سے لوگ اقوالِ سلف کو تفسیر آیات کی حیثیت سے پیش کرنے لگتے ہیں۔